بیت الفضل۔لندن

۱۲ر جولائی ۱۹۹۱ء

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

فرعون کے غرق ہونے کے بارے میں ایک نظریہ

تشہد و تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا :۔

گزشتہ جمعہ میں مَیں نے غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ کی تفسیر کے دوران مَغۡضُوۡب عَلَیۡہِمۡ گروہ کی بعض دعائیں نمونۃً" آپ کے سامنے رکھی تھیں وہی مضمون آج بھی جاری رہے گا لیکن دوسری آیت جو گزشتہ تسلسل میں پیش کرنی تھی اس سے پہلے میں فرعون کے غرق سے متعلق کچھ مزید کہنا چاہتا ہوں۔میں نے یہ استنباط کیا تھا کہ قرآن کریم نے جب یہ فرمایا کہ جب فرعون غرق ہونے کے قریب پہنچا تو اس نے ایک دعا کی اور اس دعا کے نتیجے میں ہم نے اس کو یہ جواب دیا کہ

آٰلۡـٰٔنَ وَقَدۡ عَصَیۡتَ قَبۡلُ وَکُنۡتَ مِنَ الۡمُفۡسِدِیۡنَ

(سورۂ یونس : آیت ۹۲)

اب تو یہ دعا کا وقت نہیں رہا کیونکہ اس سے پہلے تو مسلسل نافرمانی کرتا رہا اور فساد پھیلاتا رہا۔ فَالۡیَوۡمَ نُنَجِّیۡکَ بِبَدَنِکَ لیکن آج کے دن ہم تیرے بدن کو ضرور نجات دے دیں گے۔ لِتَکُوۡنَ لِمَنۡ خَلۡفَکَ اٰیَۃً تاکہ وہ جو تیرے بعد آنے والے ہیں ان کے لئے تو عبرت کا نشان بن جائے۔

اس بحث میں میں نے یہ امکان پیش نظر رکھا تھا اور میں اب بھی یہی یقین رکھتا ہوں کہ بدن کی نجات کا جو وعدہ فرعون کو دیا گیا تھا اس سے مراد محض لاش کی نجات نہیں کیونکہ لاشیں تو بہتوں کی کنارے پر پہنچ گئی ہوں گی۔بہت سے ایسے ہیں بلکہ اکثر فرعون وہی ہیں جن کی لاشیں ہمیشہ کیلئے محفوظ کردی گئی تھیں تو خصوصیت کے ساتھ اس فرعون کی دعا کے نتیجے

میں جب بدن کی نجات کا ذکر ہے تو اس سے میں نے یہ استنباط کیا کہ ایسی زندگی مراد ہے جو روح سے عاری ہو جیسے انگریزی میں Zombie کہا جاتا ہے۔ بعض ایسے لاش نما انسان ہوتے ہیں جن کی زندگی روحانیت سے کلیتہً عاری اور روح سے عاری ہوتی ہے۔ انگریزی میں لفظ Zombie تو ظاہری روح کے بغیر زندگی کا تصور پیش کرتا ہے لیکن نُنَجِّيكَ بِبَدَنِكَ میں جو مضمون ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم تجھے زندگی تو دے دیں گے مگر نجات نہیں دیں گے اور روحانیت سے عاری زندگی ہوگی۔

اس ضمن میں باقی آیات جن میں فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق کا ذکر ہے، کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ سوائے ایک موقعہ کے ہر دوسری جگہ بنو اسرائیل کو نجات دینے اور ان کی پیروی کرنے والے، ان کے پیچھے آنے والے فرعون کے لشکر کے غرق کا ذکر ہے لیکن ایک جگہ خود فرعون کے غرق کا بھی ذکر ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس موقعہ کے ساتھ اس مضمون کا کہیں تضاد تو نہیں جو میں بیان کر رہا ہوں۔ سورۂ بقرہ میں ہے کہ

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ (بقرہ : ۵۱)

یعنی ہم نے آل فرعون کو غرق کر دیا اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر سورہ انفال میں بھی وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ کا ذکر ہے۔ پھر سورۃ الشعراء میں وَاَنْجَيْنَا مُوْسٰى وَمَنْ مَّعَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ (الشعراء : ۶۶-۶۷)

اسی طرح الزخرف میں بھی یہی مضمون ہے۔ مختلف جگہ جہاں بھی فرعون اور اس کے ساتھیوں کے غرق کا ذکر ملتا ہے سوائے ایک سورۃ الاسراء کے باقی جگہ صرف فرعون کے ساتھیوں یا فرعون کی قوم کے غرق کا ذکر ہے۔ سورۃ الاسراء میں یہ ذکر ہے۔

فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا (الاسراء : ۱۰۴) اور ہم نے فرعون کو اور اس کے ساتھ جو بھی تھے سب کو غرق کر دیا۔

"غرق" سے مراد ڈوب کر مرجانا نہیں

اب سوال یہ ہے کہ ایک جگہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم نے اس کو غرق کر دیا۔ دوسری جگہ فرماتا ہے جب غرق قریب آیا اور اس نے دعا کی تو ہم نے اس سے بدنی

نجات کا وعدہ کر لیا تو کیا ان دونوں کے درمیان تضاد ہے یا کوئی تطبیق کی صورت ممکن ہے۔ غرق کا لفظ جب میں نے ڈکشنری میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ ہر جگہ جس کو ہم اردو میں ڈوبنا کہتے ہیں بالکل وہی مفہوم عربی میں غرق کا پایا جاتا ہے۔ کوئی شخص تیرنے کی کوشش کرتا ہو بچنے کی کوشش کرتا ہو لیکن ہار جائے اور پانی کے اندر ڈوب جائے۔ ڈوب مرنے کا معنی غرق کا میں نے کہیں نہیں دیکھا۔ اس لئے ان دونوں میں میرے نزدیک تضاد کوئی نہیں۔ جس طرح خدا تعالیٰ نے مچھلی کے پیٹ سے بھی ایک نبی کو زندہ بچا لیا تھا جہاں اس کے بچنے کے امکان ایک عام ڈوبے ہوئے آدمی کے بچنے کے مقابل پر بہت کم تھے۔ بارہا ہم نے دیکھا ہے کہ ایک شخص ڈوب جاتا ہے اور ڈوبے ہوئے کو ایسی حالت میں نکال لیا جاتا ہے کہ ابھی اس نے دم نہیں توڑا اور پھر کوشش کر کے اس کو بچا لیا جاتا ہے۔ پس خدا تعالیٰ جہاں غرق کا لفظ استعمال فرماتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ فرعون ضرور ڈوبا ہے اور اپنے لشکر کے ساتھ ڈوبا ہے اور جہاں تک فرماتا ہے کہ ہم تیرے بدن کو نجات بخشیں گے اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ ڈوبے ہوئے کے لئے ظاہری زندگی کے بچانے کا انتظام ممکن ہے اور خدا تعالیٰ نے ایسا انتظام ضرور کیا ہو گا کیونکہ اس وعدے کا خصوصیت کے ساتھ یہاں ذکر کرنا ایک گہرا پیغام رکھتا ہے اور وہ پیغام اس وقت تو لوگوں کو سمجھ نہیں آ رہا تھا اب کی دنیا میں ہمیں سمجھ آیا جبکہ ہم نے فرعون کی لاش کو بچا ہوا اور ممی ہوئی ہوئی حالت میں دیکھا لیکن جب میں نے مزید تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ وہ فرعون جس نے موسیٰ سے ٹکر لی اور جس کے متعلق یہ آتا ہے کہ ہم نے اس کو غرق کیا وہ فرعون ۹۰ سال کی عمر میں طبعی موت مرا ہے اور اس کی ممی اور اس کے سارے کاغذات جو ساتھ ہیں اور تمام تحریریں یہ بتا رہی ہیں کہ وہ نوعمری میں غرق ہونے کی حالت میں نہیں مرا تھا بلکہ لمبی عمر پا کر اس کے بعد اس نے کئی لڑائیاں بھی کی ہیں' ان لڑائیوں کے بعد ایک جگہ فلسطینیوں کے ہاتھوں بڑی بھاری شکست بھی کھانے لگا تھا' جس کو بعد میں دوبارہ ایک قسم کی فتح میں تبدیل کیا گیا لیکن ایک موقع پر تو بہرحال بہت ذلت ناک شکست بھی اس نے کھائی۔

سوال یہ ہے کہ کیا قرآن کریم کا ایسا ترجمہ کیا جائے گا جس کے مقابل پر تاریخی

گواہی کھڑی ہو اور بجائے اس کے کہ وہ لاش عبرت کا نشان بنے' نَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ ذٰلِکَ قرآن کریم پر شک ڈالنے کا ایک نشان بن جائے' ایک یہ پہلو ہے۔ دوسرا پہلو یہ ہے کہ قرآن کریم کے معانی پر غور کر کے اس کی خاص طرز کلام کو سمجھتے ہوئے ایسے معنی کئے جائیں جو بجائے اس کے کہ حقائق سے متضاد دکھائی دیں حقائق کو اس رنگ میں پیش کریں کہ غیر معمولی طور پر خدا تعالیٰ کی شان ان سے ظاہر ہو اور وہ لاش وا قعتہ" عبرت کا نشان بن جائے۔ میرا رجحان لازماً" اس طرف ہے اور میرے نزدیک غرق ہونے اور غرق ہونے کے بعد بچائے جانے میں کوئی تضاد نہیں ہے بلکہ عام انسانی تجربہ ہمیں بتاتا ہے کہ بارہا ڈوبے ہوؤں کو بچالیا گیا ہے۔ خاص طور پر فرعون کے اردگرد جو اس کا محافظ عملہ تھا اور خاص طور پر وہ دریائے نیل کے کنارے بسنے والے لوگ تھے اور ان میں بڑے بڑے پیراک تھے' بہت ماہر غوطہ خور موجود تھے ان لوگوں کا اپنے بادشاہ کو بچانے کی کوشش نہ کرنا بعید از فہم ہے۔ اس لئے ہرگز بعید نہیں بلکہ میرے نزدیک وا قعتہ" یہی ہوا کہ فرعون کے ڈوبنے کے بعد اس کے ساتھیوں نے غوطہ خوری کے ذریعے جو بھی انہوں نے کوشش کی اس کی لاش کو نکالا اور چونکہ خدا تعالیٰ نے وعدہ کر لیا تھا کہ میں تیرے بدن کو نجات بخش دوں گا اس لئے وہ بدن زندہ رہا اور ایک لمبے عرصے تک اس بدن کے ساتھ وہ چلتا پھرتا حکومت کرتا ہوا دکھائی دیا لیکن اس کی روح کو نجات نہیں بخشی گئی گویا زندگی میں ہی اس کی موت کا فیصلہ کر دیا گیا تھا اور یہ ایک ایسا قطعی فیصلہ تھا جو باقی سب سے اس کو جدا کرتا ہے۔ باقی لوگوں کے لئے آخر دم تک توبہ کا دروازہ کھلا رہتا ہے۔ اس سے زیادہ اور کوئی کیا عبرت کا نشان ہو سکتا ہے کہ ایک لمبی زندگی اور بادشاہت کی اور فخر کی زندگی اس کے سامنے پڑی ہو اور اس کو معین طور پر خبر دی گئی ہو کہ تم پر ہر قسم کی توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہے۔ اب تم ایک ظاہری زندگی بسر کرو گے لیکن اس میں کوئی روحانیت نہیں ہوگی تو یہ ساری باتیں میرے ذہن میں تھیں اور ہیں اور اس کے باوجود میرا رجحان اسی طرف ہے کہ قرآن کریم نے جو وعدہ کیا تھا وہ بدنی زندگی کا وعدہ تھا' محض بدن کو عبرت کا نشان بنانے کا وعدہ نہیں تھا۔

عذاب کے وقت کی دعا قبول نہیں ہوتی

اب ہم بقیہ آیات کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ ایک دعا یہ بتائی گئی ہے کہ

وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ ، فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ، نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ، اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ

(سورۂ ابراہیم : آیت ۴۵)

اور تو لوگوں کو اس دن سے ڈرا جس دن عذاب ان کو آ لے گا۔
فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا ہے وہ خدا سے یہ استدعا کریں گے کہ اے خدا ہمیں کچھ اور مہلت دے دے۔ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ہم تیری دعوت کو قبول کریں گے اور تیرے بھیجے ہوؤں کی پیروی کریں گے۔ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ کیا اس سے پہلے تم یہ قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ تمہیں کبھی کوئی زوال نہیں ہوگا۔

وَسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ

(سورۂ ابراہیم : آیت ۴۶)

اور تم ان لوگوں کے گھروں میں بسے رہے جنہوں نے تم سے پہلے اپنی جان پر ظلم کئے تھے۔ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ اور تم پر خوب روشن ہو چکا تھا کہ ان کے ساتھ ہم نے کیا سلوک کیا تھا۔ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ اور ہم نے تمہارے سامنے کھول کھول کر مثالیں بیان کی تھیں۔ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اور جو مکر وہ کر سکے انہوں نے وہ سارے مکر کئے اور اللہ کے پاس ان کے مکروں کا مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ خواہ ان کے مکر ایسے بھی تھے جس سے پہاڑ ٹل جاتے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کے مکروں کو ناکام کر دیا۔

یہ جو دعا ہے یہ ویسی دعا ہے جیسی کئی دعائیں اس سے پہلے بھی آپ کے سامنے

پیش کی جاچکی ہیں کہ عین اس وقت جبکہ خدا کا فیصلہ آجائے اس وقت کی دعا قبول نہیں ہوا کرتی۔ اس سے پہلے فرعون کی دعا کی مثال بھی گزری ہے لیکن اس میں خدا تعالیٰ نے خود استثناء فرمایا ہے کہ جزوی طور پر میں تیری بات مانوں گا لیکن مکمل طور پر نہیں مانی جائے گی۔ اکثر دعائیں تو وہ بیان کی گئیں ہیں جو قیامت کے دن جہنم کے سامنے پیش کرتے ہوئے یا جہنم کے اندر ظالموں کی التجائیں ہیں اور ان سب کے رد ہونے کا ذکر ہے۔ کچھ دعائیں وہ ہیں جو موت کا منہ دیکھ کر یا عذاب کا منہ دیکھ کر کی جاتی ہیں ان کے بھی اکثر رد ہونے کا ذکر ہے۔ سوال یہ ہے کہ ان کی دعائیں صرف دو تین مضمونوں پر کیوں مشتمل ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مومن کو تو ایسے دور میں ابتلاؤں کی ایک لمبی زندگی ملتی ہے جبکہ دعائیں قبول ہو سکتی ہیں' وہ دعائیں کرتا ہے اور دعائیں مقبول ہوتی ہیں اور اس کے بے شمار نمونے ہیں جو اس کی زندگی کے مختلف حالات پر چسپاں ہوتے ہیں۔ لیکن کافر کی دعائیں ہوتی اس وقت کی ہیں جبکہ آخری وقت آپہنچا ہو۔ اس لئے صرف نجات کی چند دعائیں یا عذاب سے بچنے کی دعا کے سوا آپ کو کوئی دعا نظر نہیں آئے گی۔ ان کو دعا کا شعور نہیں ہوتا۔ اس لئے دعا کے بہت تھوڑے نمونے ہیں جو قرآن کریم نے ہمارے سامنے رکھے ہیں لیکن ان پر بھی جب غور کریں تو ان سے ہمیں بہت سی نصیحت ملتی ہے۔ یہاں ایک عجیب بات یہ ہے کہ یہ ذکر فرمایا کہ جب وہ عذاب کا منہ دیکھیں گے تو بچنے کے لئے دعا کریں گے لیکن جو جواب اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس کا بظاہر اس دعا سے تعلق نہیں ہے۔ فرمایا : اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ تم وہی لوگ نہیں ہو جو اس سے پہلے قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تم پر کبھی زوال نہیں آئے گا؟ وہ تو یہ دعا کر رہے ہیں کہ اے خدا! ہمیں بچالے۔ ہم توبہ کریں گے۔ ہم سے عذاب ٹال دے تاکہ ہم دوبارہ موقعہ پائیں کہ تیرے رسولوں کی پیروی کریں اور تجھ پر ایمان لائیں لیکن جواب یہ دیا جا رہا ہے کہ کیا اس سے پہلے تم ہی لوگ یہ قسمیں نہیں کھایا کرتے تھے کہ ہمیں کوئی زوال نہیں آئے گا۔

اصل بات یہ ہے کہ یہاں ان کافروں کا ذکر ہے جو زمین میں تکبر کرتے ہوئے خدا کی جگہ لینے کی کوشش کرتے ہیں اور خدا کے بھیجے ہوؤں کو ایسے چیلنج کرتے ہیں کہ

جن کے نتیجے میں گویا خدائی کے اختیارات ان کو مل چکے ہیں اور کھلے کھلے چیلنج کرتے ہیں کو جو کچھ کرنا ہے کرلو۔ جو عذاب لا سکتے ہو لے آؤ۔ ہم پر کبھی کوئی زوال نہیں آئے گا۔ ہمیں ہمیشگی کی بادشاہت عطا ہوئی ہے۔ ہماری طاقت کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ تو یہ ساری کہانی ہے جو اس قسم کے اندر بیان فرمادی گئی ہے۔ تم یہ کہا کرتے تھے اور قسمیں کھایا کرتے تھے کہ تمہیں زوال نہیں آئے گا۔ کن معنوں میں زوال نہیں آئے گا؟ جب وہ انبیاء سے ٹکر لیتے تھے تو ان کو وہ کہا کرتے تھے کہ جو کرنا ہے کر گزرو۔ جو دعائیں کرنی ہیں کرو۔ کوئی دنیا میں ایسی طاقت نہیں۔ کوئی آسمان پر ایسی طاقت نہیں جو ہماری ترقیوں کو تنزل میں بدل دے۔ فرمایا کہ جن کے تکبر کا یہ حال تھا وہ جب عذاب کو سامنے دیکھتے ہیں اور اس زوال کو دیکھتے ہیں جس کے متعلق وہ انکار کیا کرتے تھے تو اس وقت ان کی دعا کے قبول ہونے کا کوئی وقت نہیں رہتا۔ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ یہاں ہر جگہ جہاں کافر کی یا ظالم کی دعا بیان ہوئی ہے اس کے رد ہونے کے دلائل بھی بیان فرما دیئے گئے ہیں۔ فرمایا : تم تو ایسے لوگ ہو جو تم نے کبھی نصیحت پکڑی ہی نہیں۔ اب عذاب کو دیکھ کر کیسے نصیحت حاصل کرو گے۔ اس سے پہلے تم جیسے لوگوں پر عذاب نہیں آئے تھے؟ کیا انہی کے گھروں میں تم بسے نہیں رہے؟ کیا تم نے تاریخ سے یہ سبق نہیں سیکھے کہ تم جیسے کام کرنے والے تم سے پہلے ہلاک کر دیئے گئے۔ پس اگر عذاب سے تم نے نصیحت پکڑنی ہے تو پہلوں کے عذاب سے کیوں نصیحت نہ پکڑی۔ وہ بھی تو تم جیسے ہی تھے۔ تمہارے جیسے کاموں کے نتیجے میں وہ اپنے بدانجام کو پہنچے۔ پس تمہارے سامنے ان کا ماضی ہے اور اب تم اس ماضی کو بھلا کر، نظر انداز کرنے کے بعد جب اس کو مستقبل کے طور پر اپنے سامنے دیکھ رہے ہو تو ہمیں کہتے ہو کہ ہمیں واپس کردو۔ ہم نصیحت پکڑیں گے۔ یہ فطرت کے خلاف بات ہے جسے نصیحت پکڑنی ہو وہ دوسرے کے بدحال کو دیکھ کر اپنے لئے نصیحت کا رستہ اختیار کرتا ہے اور نیکی کا رستہ اختیار کرتا ہے۔ جب اپنے اوپر آپڑے تو پھر بچنے کا کوئی سوال نہیں رہا کرتا۔ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ اور پھر وہ بھی تمہاری طرح بہت مکر کرنے والے تھے "اور خدا کے پاس انکا مکر ہے" اس کا

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے کہ ان کے مکر کو جس طرح چاہے ذلیل اور رسوا کر کے نامراد کر دے۔ عِنْدَ اللّٰہِ مَکْرُھُمْ ان کے مکر خدا کی مٹھی میں ہیں۔ وہ خدا والوں کو کیا کہہ سکتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ خدا کے پاس ان کے مکروں کا مکمل ریکارڈ موجود ہے۔ وَاِنْ کَانَ مَکْرُھُمْ لِتَزُوْلَ مِنْہُ الْجِبَالُ اگر ایسے ایسے مکر بھی ان کے پاس ہوتے جن سے پہاڑ ٹل جاتے تب بھی خدا کے قبضہ قدرت میں تھے۔ خدا کی اجازت کے بغیر وہ سارے مکر بے اثر رہتے اور بے اثر رہے تو جو دعا آخر پر نامنظور کی جاتی ہے اس کا فیصلہ بھی خدا تعالیٰ ساتھ ساتھ بیان فرماتا چلا جا رہا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ

(سورۃ الحجر : آیت ۲۹)

اس ذکر کے بعد کہ کس طرح ہم نے انسان کو ایک گلی سڑی مٹی سے پیدا کیا اور پھر فرشتوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا، فرماتا ہے : سب نے اطاعت کی سوائے ابلیس کے، جب خدا نے پوچھا کہ کیوں تو نے اطاعت نہیں کی تو اس نے کہا کہ

لَمْ اَکُنْ لِّاَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَہٗ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ

(سورۃ الحجر : آیت ۳۴)

کہ میں ان میں سے نہیں ہوں جو ایک ایسی ذلیل چیز کی اطاعت کریں جسے تو نے گندی مٹی سے پیدا کیا ہے۔ ایسی گھٹیا اور رسوا چیز کی اطاعت کرنے والوں میں میں نہیں ہوں۔ قَالَ فَاخْرُجْ مِنْہَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ۔ (سورۃ الحجر : آیت ۳۵) فرمایا کہ تو اپنی موجودہ کیفیت سے باہر نکل جا یعنی ہم تجھے اس حالت میں نہیں رہنے دیں گے جس حالت میں ہم نے تجھے بنایا ہے۔ تجھے ذلیل و رسوا کریں گے۔ وَاِنَّ عَلَیْکَ اللَّعْنَۃَ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ (سورۃ الحجر : ۳۶) اور قیامت کے دن تک کے لئے تجھ پر لعنت ہے۔

شیطان صاحب عقل بھی ہوتے ہیں

یہ سننے کے بعد تب شیطان نے دعا کی ہے لیکن یہاں لفظ شیطان نہیں بلکہ ابلیس ہے۔ يٰٓاِبْلِيْسُ مَا لَكَ اَلَّا تَكُوْنَ مَعَ السّٰجِدِيْنَ (سورۃ الحجر : ۳۲) یہاں لفظ ابلیس خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ میں آگے جاکر بیان کروں گا کہ کیوں یہ یہاں خاص اہمیت رکھتا ہے۔ قَالَ رَبِّ فَاَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ۔ (سورۃ الحجر : ۳۷) اے خدا! مجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دے کہ لوگوں کو تو دوبارہ نئی زندگی عطا کرے گا۔ قَالَ فَاِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ (سورۃ الحجر : ۳۸) ہاں ہم تجھے اس وقت تک کے لئے مہلت دیتے ہیں اِلٰى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُوْمِ (سورۃ الحجر۳۹) اس معین وقت تک کے لئے جس کا ذکر گزر چکا ہے۔ قَالَ رَبِّ بِمَآ اَغْوَيْتَنِيْ لَاُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ (سورۃ الحجر : ۴۰) اے میرے رب! چونکہ تو نے مجھے گمراہ قرار دے دیا ہے۔ میں ان کے لئے زمین میں جو کچھ ہے وہ بہت ہی حسین اور خوبصورت بنا کر دکھاؤں گا۔ وَلَاُغْوِيَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ۔ اور میں تیرے سب کے سب بندوں کو گمراہ کر دوں گا۔ اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِيْنَ (سورۃ الحجر : ۴۱) وہاں شیطان نے خود یہ استثناء کیا کہ سوائے ان بندوں کے جو تیرے مخلص بندے ہیں۔ یہاں مخلِص کا لفظ نہیں بلکہ مخلَص کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ مراد یہ ہے کہ جن کو تو خالص کر دے۔ پس شیطان نے جو بات کی وہ بھی حکمت کی بات ہے اور شیطان کی طرف بھی قرآن نے جو باتیں منسوب کی ہیں ان میں سے بعض عقل اور سمجھ کی باتیں ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ بڑے بڑے شیطان دنیا میں صاحب عقل بھی ہوتے ہیں مگر انکار کی دفعہ ان کی عقلیں ماری جاتی ہیں جس طرح ابو جہل پہلے ابوالحکم کہلاتا تھا۔ حکمت کا باپ' وہ جہالت کا باپ بن گیا اور یہاں ابلیس سے مراد میں سمجھتا ہوں ہر دور کا ابلیس ہے۔ اور مہلت دینے سے مراد یہ ہے کہ جب بھی خدا تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو بھیجتا ہے تاکہ اس کے خالص بندوں کا انتخاب کیا جائے اور ظاہری بندوں سے سچے اور مخلص بندوں کو الگ کر کے دکھایا جائے تو ان کو نبی کے ذریعے مخلص بنایا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو نبی کی اطاعت کرتے ہیں وہ خدا کی طرف سے خالص بنائے

جاتے ہیں۔ اپنے طور پر کوئی خالص نہیں بن سکتا' تو یہ نبوت کا مضمون ہے جس کو شیطان نے یہاں بیان کیا ہے۔ وہ کہتا ہے ہاں وہ لوگ جن کو نبوت کے ذریعے تیری طرف سے خلوص عطا ہوگا اور وہ نبوت کی پیروی کے ذریعے مخلص بنائے جائیں گے وہ یقیناً میری پیروی نہیں کریں گے۔ قَالَ هٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيْمٌ (سورۃ الحجر : ۴۲) خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا۔ یہ وہ سیدھا رستہ ہے جو میری طرف آتا ہے۔ یعنی شیطان بھی وہیں بیٹھا ہوا بہکا رہا ہے اور خدا کے انبیاء بھی اسی رستے پر نیک نمونے دکھا رہے ہیں اور جن کو خدا کے ان نیک بندوں پر ایمان لانے کی توفیق ملتی ہے وہ مخلص بنا دئے جاتے ہیں اور ان پر شیطان کا کوئی دخل نہیں رہتا فرمایا :

اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ (سورۃ الحجر : ۴۳) میرے بندوں پر تجھے کوئی تسلط نہیں' سوائے ان کے جو پہلے سے گمراہ ہوں اور ٹیڑھی طبیعت رکھتے ہوں۔ وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ اَجْمَعِيْنَ (سورۃ الحجر : ۴۴) اور جہنم تم سب کیلئے وعدہ ہے۔ اَجْمَعِيْنَ سب کے لئے اس جہنم میں داخل ہوگے۔ لَهَا سَبْعَةُ اَبْوَابٍ اس کے سات دروازے ہیں۔ لِكُلِّ بَابٍ مِّنْهُمْ جُزْءٌ مَّقْسُوْمٌ (سورۃ الحجر : ۴۵) اور اس کے ہر دروازے کے لئے ایک حصہ مقرر ہو چکا ہے۔ ایک ایسا جزء ہے جو پہلے سے تقسیم شدہ ہے اور وہ ان دروازوں کے ذریعے داخل ہوگا۔

شیطان انہی کو گمراہ کر سکتا ہے جن میں کجی ہے

ان سادہ سی آیات میں بہت سی حکمت کی ایسی باتیں ہیں جن کا ذکر ضروری ہے۔ شیطان نے تو صرف اتنا کہا تھا کہ تیرے مخلص بندوں کے سوا میں سب کو گمراہ کردوں گا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن کو تو گمراہ کرے گا ان پر بھی تیرا تسلط اس وجہ سے ہوگا کہ ان کے اندر کجی موجود ہوگی ورنہ تیرا کچھ بھی اختیار نہیں ہے۔ یہ ایک بہت گہرے فلسفے کی اور حکمت کی بات ہے جسے مومن کو سمجھ لینا چاہئے کہ شیطان کا کسی پر کوئی تسلط نہیں ہے۔ جن کو خدا مخلص کردے ان پر تو اس کے تسلط کا سوال ہی نہیں' دوسرے جو بندے' ہیں ان میں سے جو ٹیڑھے ہوں وہی شیطان کو دعوت دیتے ہیں۔ جن کے نفس

میں کجی نہ ہو ان پر شیطان کو غلبہ نہیں مل سکتا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ عِبَادِيْ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ میرے بندوں پر تو تیرے غلبے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ اِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغٰوِيْنَ۔ سوائے اس کے کہ کوئی ٹیڑھے لوگ خود تیری پیروی کریں۔

اندر کی کجی باہر کے گناہ کو بلاتی ہے

پس گناہ کا فلسفہ ہے جو بہت کھول کر بیان فرما دیا گیا۔ اگر اب اپنی غلطیوں پر کوئی انسان گہری نظر سے نگاہ ڈالے اور اپنے ماضی کے حالات کا مطالعہ کرے تو اس پر یہ خوب کھل جائے گا کہ اندر کی کجی ہے جو باہر سے گناہ کو بلاتی ہے۔ جب تک وہ کجی انسانی فطرت میں پیدا نہ ہو انسان گناہ کی طرف نہ راغب ہو سکتا ہے نہ گناہ اسے مغلوب کر سکتا ہے۔ اس لئے پہلے اندر ایک فیصلہ ہو جاتا ہے اور وہ وہی فیصلہ ہے جو آگے پھر گناہ کے رستوں کی پیروی کرنے کی توفیق دیتا ہے پس کیسا خوبصورت اور واضح انسانی فطرت کا نقشہ کھینچا گیا ہے۔ پس اندر کی جو کجی ہے اس کا نام شیطان ہے اور باہر سے بلانے والے جو ہیں وہ ابلیس ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کے دور میں ابو جہل ایک ابلیس تھا اور اسی طرح ہر دور میں بہت سے ابلیس پیدا ہوتے ہیں ضروری نہیں کہ صرف ایک ہی ہو۔ وہ بدیوں کی طرف بلاتے ہیں اور ہر انسان کے اندر ایک شیطان ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم نے فرمایا کہ ہر شخص کی رگوں میں شیطان دوڑ رہا ہے اور ہر شخص کا اپنا شیطان ہے۔ پوچھا گیا کہ یا رسول اللہ! آپ کا بھی شیطان ہے تو آپ نے فرمایا! ہاں لیکن وہ مسلمان ہو گیا ہے۔ یعنی میرے اندر کوئی کجی رہی نہیں۔ یہ فطرت کا بہت گہرا راز ہے ہر انسان کی رگوں میں کچھ نہ کچھ کجی موجود ہوتی ہے جو اسے باہر کی بد آواز کے سامنے سر جھکانے پر آمادہ کر دیتی ہے اور اصل خطرناک شیطان اندر کا شیطان ہے اور وہ شیطان اگر مسلمان ہو جائے تو پھر دنیا میں کسی کو اس شخص کے اوپر غلبہ نہیں نصیب ہو سکتا یعنی خدا کے سوا کسی کو اس شخص پر غلبہ نصیب نہیں ہو سکتا۔

جنت اور جہنم کے سات دروازوں کا مطلب

اس گہری انسانی فطرت کے راز کو سمجھنے کے بعد ایک انسان شیطانی اثرات سے یا ابلیسی اثرات سے بہتر رنگ میں بچ سکتا ہے اور پھر مزید اس بات کو واضح فرما دیا کہ یہاں فطرت انسانی کی بات ہو رہی ہے۔ فرمایا : جہنم جس میں یہ لوگ داخل کئے جائیں گے لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ اس کے سات دروازے ہیں۔ جنت کے بھی سات دروازے بتائے گئے ہیں اور جہنم کے بھی سات دروازے بتائے گئے ہیں۔ اس ضمن میں ربوہ میں آغاز کے سالوں میں میں نے ایک مرتبہ ایک خطبہ دیا تھا جس میں سمجھایا تھا کہ ان دروازوں سے کیا مراد ہے۔ پانچ تو حواس خمسہ ہیں۔ کان کا دروازہ' آنکھ کا دروازہ' قوت شامہ کا دروازہ' مزے کا دروازہ' لمس کا دروازہ' وغیرہ وغیرہ۔ یہ پانچ سوراخ ایسے ہیں جن کے ذریعے انسان بیرونی دنیا سے رابطہ کرتا ہے۔ اگر ان دروازوں پر پہرے نہ بٹھائے گئے ہوں تو جہاں بھی کمزوری ہو گی وہاں سے کوئی اچکا داخل ہو سکتا ہے' کوئی چور آسکتا ہے۔ پس جو لوگ ان دروازوں کی حفاظت کریں وہ خدا کے فضل کے ساتھ امن میں رہتے ہیں لیکن دو دروازے اندر بھی ہیں' ان میں سے ایک دماغ کا دروازہ ہے اور ایک دل کا دروازہ ہے اور یہ دونوں دروازے ایسے ہیں جو تمام پانچوں اثرات کو قبول کرتے یا رد کرتے ہیں اور اثرات کے نتیجے میں ان کی اپنی ایک شخصیت پیدا ہوتی ہے۔ ایک شخصیت ذہنی قابلیتوں کی شخصیت ہے' ایک شخصیت جذباتی قابلیتوں کی شخصیت ہے۔ اور یہ دونوں چیزیں بیرونی اثرات سے رفتہ رفتہ بنتی ہیں اور اندرونی قابلیتوں کے اوپر جب بیرونی اثرات اپنی روشنی ڈالتے ہیں تو ان کے نتیجے میں اندر سے ایک روشنی پیدا ہوتی ہے۔ اسی طرح جب بیرونی اندھیرے اندر کے اندھیروں پر اپنا اثر ڈالتے ہیں تو اندر سے ایک اور تاریکی پیدا ہوتی ہے۔ پس ذہنی تاریکیاں ہوں یا قلبی تاریکیاں ہوں۔ ذہنی روشنیاں ہوں یا قلبی روشنیاں ہوں' یہ دو دروازے ہر انسان کے اندر کھلے رہتے ہیں۔ پس قرآن کریم نے جب فرمایا کہ سات دروازوں سے تم لوگ جہنم میں داخل کئے جاؤ گے تو مراد یہ ہے کہ اندر کے شیطان' انسانی نفس کے ساتھ لگے ہوئے جو شیطان ہیں یہ سب سے زیادہ اہمیت رکھتے ہیں۔ ان میں سے زبان

آنکھ' ناک' وغیرہ وغیرہ' یہ جتنے بھی حواس خمسہ کے دروازے ہیں ان پر اگر انسان قابو پالے اور ان کو خدا کے سپرد کردے تو پھر اندر کے دو دروازے بھی واقعتہً "خدا کے سپرد ہو جاتے ہیں یعنی ذہن کا دروازہ اور دل کا دروازہ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ وہ ہیں جو مخلصین ہیں۔ جن کو اللہ کے لئے خالص کر دیا گیا ہے ان پر کسی ابلیس کو کوئی تسلط نہیں ہو سکتا۔ یہ مضمون سمجھنے کے بعد یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ یہ کتنا مشکل کام ہے اور خدا تعالیٰ نے صراط مستقیم کی یہ تعریف فرمائی ہے کہ یہ صراط مستقیم ہے جہاں یہ سب کچھ ہوتا ہے اور روز پانچ وقت پانچ نمازوں میں ہر رکعت میں ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ ہمیں صراط مستقیم پر چلا۔ کیسی صراط مستقیم ہے جہاں نیک بھی چلتے ہیں' بد بھی چلتے ہیں' ٹھوکریں کھانے والے لوگ بھی ہیں' بچ کر نکل جانے والے لوگ بھی ہیں۔ اکثر وہ ہیں جو رستہ کھودیں گے۔ کم وہ ہیں جو خوش نصیب ہیں اور جو آخر منزل تک پہنچیں گے ان بددعاؤں سے ہمیں متنبہ کیا جو مغضوب علیہم اور ضالین کی دعائیں ہیں لیکن وہ بھی آپ کو صراط مستقیم پر ہی ملتے ہیں لیکن وہ صراط جو سیدھی خدا تک پہنچا دیتی ہے وہ عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ کی راہ ہے اور انہیں کی دعائیں کرتے ہوئے ہمیں ان رستوں پر آگے بڑھنا چاہیئے اور جو جو ٹھوکریں خدا تعالیٰ نے ہم پر کھول دی ہیں ان سے بچنے کی کوشش کرتے رہنا چاہئے لیکن اس یقین کے ساتھ کہ اپنی کوشش سے کوئی انسان نیک نہیں ہو سکتا جب تک دعا کے ذریعے اسے توفیق نہ ملے اور دعا کی قبولیت کے لئے ضروری ہے کہ دل سے ایک خالص آواز اس دعا کی قبولیت کے لئے اٹھے۔ عام دعاؤں کے لئے تو دل سے خالص آوازیں آسانی سے اٹھ جاتی ہیں مگر نیکی کی دعا کے لئے دل کی خالص آواز کو بلند کرنا بہت مشکل کام ہے یہ بات میں آپ کو اچھی طرح سمجھا دینا چاہتا ہوں۔ آپ اگر یہ دعا کریں کہ ہمارا بچہ ٹھیک ہو جائے تو دل سے نکلے گی۔ یہ دعا کریں کہ اے خدا ہمیں اس بلا سے نجات بخش دے۔ ہمیں اس طوفان سے بچالے تو دل سے اٹھے گی۔ چنانچہ قرآن کریم نے جیسا کہ میں نے پہلے دعاؤں میں ذکر کیا ان دعاؤں کی قبولیت کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ ہمیں پتہ تھا کہ بعد میں یہ لوگ مکر جائیں گے لیکن اس وقت دل سے دعا کر رہے تھے۔ ایک مضطر کی دعا تھی اور ہم نے اس کو قبول کر

لیا لیکن نیکی کی دعا مانگنا سب سے مشکل دعا ہے کیونکہ وہ بہاؤ کے خلاف دعا ہے۔ انسانی فطرت گناہوں کی پیروی کرتی ہے' اس کی طرف دھکیل کر لے جانا چاہتی ہے۔ طبیعت کا طبعی بہاؤ مزے کی طرف ہے' لذتوں کی طرف ہے' آرام طلبی کی طرف ہے۔ بہاؤ کے خلاف دعا کرنا سب سے زیادہ مشکل دعا ہے۔ واقعۃً نیکی کی دعا مانگتے ہوئے ہر انسان اگر اپنے نفس کو کرید کر دیکھے اور یہ غور کرے کہ واقعۃً وہ خدا سے ان سب چیزوں سے بچنے کی دعا مانگ رہا ہے تب اس کو پتہ چلے گا کہ وہ دعا کچھ نیم جان سی دعا تھی۔ انسان کہتا ہے کہ مجھے نیکی عطا کر لیکن ساتھ ڈرتا بھی ہے اور پوری طرح نیت بھی نہیں رکھتا۔ ایک شخص مثلاً رزق حلال کی دعا مانگتا ہے اب اس کے لئے روزانہ رزق حرام کئی طرح سے بہت خوبصورت بن کر ظاہر ہوتا ہے اگر ان سب امکانات کو پیش نظر رکھے اور پھر یہ دعا کرے کہ اے خدا مجھے رزق حلال عطا کر تب اس کو سمجھ آئے گی کہ مخلص دعا ہوتی کیا ہے۔ وہ دعا مخلص نہیں ہوگی جبتک کہ وہ پہلے رزق حرام کے سارے دروازے اپنے اوپر بند نہیں کرلیتا اور خدا سے یہ کہہ نہیں دیتا کہ میں نے کردیئے ہیں اب میں التجا کرتا ہوں کہ وقت کے اوپر آکر ٹھوکر نہ کھا جاؤں۔ اس وقت تک یہ دعا مخلص نہیں ہو سکتی تو مخلص دعا یعنی نیکیوں کے معاملے میں مخلص دعا سب سے مشکل دعا ہے۔ اپنے بچوں کے لئے آپ کرسکتے ہیں۔ اپنے مرے ہوئے بزرگوں کے لئے کرسکتے ہیں کیونکہ ان کی خاطر آپ کو اپنے اندر تبدیلی کی ضرورت نہیں ہے۔ آسانی سے کرسکتے ہیں۔ مائیں بچوں کو جتنی مرضی دعائیں دے لیں۔ اے خدا! ان کو نیک بنا۔ سب ٹھیک ہے لیکن اپنے لئے نیکی مانگیں' اپنی کجیاں درست کرنے کی دعائیں مانگیں اور بہت سی ایسی دعائیں مانگیں تب ان کو سمجھ آئے گی کہ بچوں کے لئے تو پوپلے منہ سے آسانی سے دعائیں کرلیں۔ مرے ہوئے بزرگوں کے لئے بھی کرلیں لیکن وہ دعائیں بھی تب زیادہ مقبول ہوں گی اگر اپنے لئے بھی اسی جان کے ساتھ دعائیں کی جائیں۔ اس لئے اپنے لئے دعائیں یہ بھی فیصلہ کردیتی ہیں کہ مستقبل کے لئے مقبول ہوں گی یا نہیں اور ماضی کے لئے مقبول ہوں گی یا نہیں۔ انبیاء کی نیکیوں کی دعائیں کیوں ان کی اولاد کے حق میں مانی جاتی ہیں۔ عام انسان کے لئے کیوں نہیں مانی جاتیں۔ یہ بھی تو ایک مسئلہ ہے۔ پس

مغضوب علیھم کی دعاؤں پر جب آپ غور کرتے ہیں تو بہت سے نیک لوگوں کی دعاؤں کی حکمتیں بھی سمجھ آنے لگ جاتی ہیں۔اسی لئے یہ مضمون ضروری ہے اور اس لئے میں آپ کے سامنے اسے کھول کر رکھنا چاہتا ہوں۔ جو مغضوب لوگوں کی دعائیں ہیں یا کج لوگوں کی دعائیں ہیں وہ جب نیکی کی دعائیں بھی کرتے ہیں تو ان کے اندر ایک کجی ہوتی ہے اور اس کجی کی وجہ سے وہ دعائیں رد ہو جاتی ہیں اور غیروں کے لئے خواہ کجی نہ بھی ہو چونکہ اپنے لئے کجی ہوتی ہے اس لئے دوسروں کے لئے دعاؤں میں بھی کمزوری واقع ہو جاتی ہے۔

خدا کے نشانوں کو دیکھ کر آنکھیں بند کر لینے کی سزا

قیامت کے دن ایک سوال ہے پوری دعا نہیں بنتی اور وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ جب کسی کو اندھا بنا کر اٹھائے گا یعنی دوسری دنیا میں نور سے عاری کر دے گا۔ بصیرت سے عاری فرما دے گا تو وہ یہ کہے گا۔ قَالَ رَبِّ لِمَ حَشَرْتَنِيٓ اَعْمٰى وَقَدْ كُنْتُ بَصِيْرًا (سورۃ طٰہ : ۱۲۶) کہ اے میرے رب! تو نے مجھے اندھا کیوں اٹھا دیا۔ میں تو دنیا میں دیکھا کرتا تھا۔ قَالَ كَذٰلِكَ اَتَتْكَ اٰيٰتُنَا فَنَسِيْتَهَا اللہ فرمائے گا کہ اسی لئے یعنی دلیل یہ ہے کہ تیرے پاس میرے نشانات آیا کرتے تھے یا آتے رہے اور تو نے انہیں نظر انداز کر دیا۔ نَسِيْتَهَا کا معنی یہاں "بھلا دینا" ان معنوں میں نہیں کہ ایک چیز یاد تھی اور بھلا دی گئی۔ نَسِيْتَهَا کا معنی ہے : انہیں اس طرح نظر انداز کر دیا کہ گویا وہ بھول چکے تھے۔ ان کو فراموش کر دیا۔ ان کی طرف توجہ ہی نہیں کی۔ وَكَذٰلِكَ الْيَوْمَ تُنْسٰى (سورۃ طٰہ : ۱۲۷) اور آج تجھے اسی طرح بھلا دیا جائے گا۔ دیکھتے ہوئے نہ دیکھنے کا مضمون ہے جو بیان ہوا ہے۔ فَنَسِيْتَهَا کا مطلب یہ نہیں ہے کہ تو نے کوئی یاد چیز کو بھلا دیا بلکہ مراد یہ ہے کہ تیرے سامنے تھی اور تو نے دیکھا ہی نہیں۔ نظر انداز کر دیا تو جو چیز اپنی مرضی سے تو نے نہیں دیکھی آج تجھے نظر ہی نہیں آئے گی۔ اور آج تو بھی اسی طرح خدا کے سامنے بھلا دیا جائے گا اور تیری ضرورتوں کی پرواہ نہیں کی جائے گی۔ یہ بہت ہی دردناک سزا ہے اور یہ سزا ہم دنیا میں اپنے لئے بناتے چلے جاتے ہیں۔ جب خدا کی طرف سے کوئی بات ظاہر ہو جائے اسے

دیکھنے کے باوجود آنکھیں بند کرلی جائیں تو اس پر یہ مضمون صادق آتا ہے۔ میں نے تبلیغ کے دوران بہت سے مولویوں سے باتیں کی ہیں اور میں ذاتی طور پر جانتا ہوں کہ وہ لوگ اپنی آنکھیں بند کرتے ہوئے نظر آتے تھے۔ جب ان کے سامنے کھلی کھلی بات رکھی گئی تو آپ ان کے چہروں پر خوف کے آثار دیکھ سکتے تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ان کو نظر آگیا ہے لیکن بڑی پریشانی کے ساتھ انہوں نے اس رخ کو موڑا ہے اور کوشش کر کے مضمون کو بدلتے تھے۔ یہ ان لوگوں کا ذکر ہے اور روز مرہ کی زندگی میں بعض دفعہ انسان مومن ہوتے ہوئے بھی ایسی غلطیاں کرجاتا ہے اس لئے سوال کا جواب خدا نے ہمیشہ کے لئے دے دیا کہ تم آئندہ کی زندگی کے لئے اپنی بصارت اور بصیرت خود بناؤ گے یا خود بگاڑو گے۔ اگر اس دنیا میں تم اندھے بن کر رہو گے تو قیامت کے دن بھی اندھے ہی اٹھائے جاؤ گے اور اگر اس دنیا میں روشنی پاؤ گے تو پھر قیامت کے دن بھی روشنی عطا ہوگی۔

اس کا تعلق صرف آنکھوں سے نہیں بلکہ حواس خمسہ سے ہے۔ تمام حواس کا تعلق خدا تعالیٰ کی بعض فرمانبرداریوں اور بعض نشانات سے ہے اور جہاں جہاں انسان ان کو بھلاتا ہے وہاں اگر کلیتہً ان پر فالج نہیں گرا دیتا تو کم سے کم ان حسّوں کو بیمار کر دیتا ہے اور قیامت کے دن ان حسّوں سے اس نے جنت کی لذتیں پانی ہیں یا اس جنت سے محرومی کے نتیجے میں عذاب دیکھنا ہے۔ اس لئے بہت ہی احتیاط کی ضرورت ہے کہ اس دنیا میں ہم اپنے حواس خمسہ کو اس طرح استعمال کریں کہ ان سے ملتے جلتے، ان سے تعلق رکھنے والے حواس خمسہ آئندہ کی دنیا میں پیدا ہوتے رہیں۔ چنانچہ جب میں نے کہا کہ اس کا تعلق صرف آنکھوں سے نہیں بلکہ دوسرے حواس سے بھی ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن کریم اس کے بعد فرماتا ہے کہ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي مَنْ أَسْرَفَ وَلَمْ يُؤْمِنْ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ہم اسی قسم کا سلوک ہر اس شخص سے کرتے ہیں جو اسراف سے کام لیتا ہے اور خدا تعالیٰ کے نشانات پر ایمان نہیں لاتا اور ان کا انکار کرتا ہے۔ وَلَعَذَابُ الْاٰخِرَةِ أَشَدُّ وَأَبْقٰى اس ضمن میں جو بعد میں آنے والا عذاب ہے وہ زیادہ سخت ہوگا اور باقی رہنے والا ہوگا۔ یہ دعا سورہ طٰہٰ ۱۲۵ اور ۱۲۸ سے

ہے۔

سورۂ مومنون کی ۱۰۰ تا ۱۰۲ آیات میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ

حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ

(سورۃ المومنون : آیت ۱۰۰)

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی ایک کو موت آجائے تو وہ یہ کہے گا کہ اے خدا! مجھے لوٹا دے لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّا تاکہ میں جو جگہ چھوڑ کر آیا ہوں اس جگہ واپس جاکر نیک اعمال بجا لاؤں یعنی اپنی زندگی کو نئے اعمال سے زینت دوں۔ كَلَّا خبردار ایسا نہیں ہو گا۔ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا یہ تو محض منہ کی بات ہے جو یہ شخص کہہ رہا ہے۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۔ اور ایک پردہ ایسے لوگوں کے پیچھے ہے جو قیامت کے دن تک ان کے درمیان اور حقیقت کے درمیان لٹکا رہے گا۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ جب صور پھونکا جائے گا تو اس دن ان کے درمیان کوئی قرابتیں باقی نہیں رہیں گی اور نہ وہ ایک دوسرے کا حال پوچھ سکیں گے۔

قرآن کریم میں تکرار مضامین کی حکمت

ایک بات تو بارہا پہلے گزر چکی ہے کہ جب پکڑ کا وقت آجائے۔ جب موت آجائے تو اس وقت بچنے کی کوئی دعا کار آمد نہیں ہوتی۔ ان مضامین کو جب دہرایا جاتا ہے تو بے وجہ نہیں دہرایا جاتا بلکہ ان کے ساتھ مزید کچھ اور مضامین بیان کر دیئے جاتے ہیں۔ قرآن کریم میں در حقیقت ایک ہی REPETITION نہیں ہے۔ آپ کو بہت سی جگہ بعض مضامین دہرائے ہوئے دکھائی دیں گے اور انسان سمجھتا ہے کہ وہی مضمون دوبارہ، وہی مضمون دوبارہ۔ اس کے دو فائدے ہیں۔ ایک فائدہ تو یہ ہے کہ بعض مضامین بار بار نظر کے سامنے آئیں تو انسانی فطرت پر زیادہ گہرا اثر پڑتا ہے لیکن ایک اور فائدہ یہ ہے کہ ان دہرائے ہوئے مضامین کو مختلف شکلوں میں پیش کیا جاتا ہے اور قرآن کریم میں ایک بھی ایسی دہرائی نہیں جس کا پس منظر یا بعد میں آنے والی آیات

اس مضمون پر کوئی نئی روشنی نہ ڈالتے ہوں۔ اس لئے کہیں بھی محض تکرار نہیں ہے بلکہ ہر تکرار کے ساتھ کچھ حکمتیں ایسی پوشیدہ ہیں جو پہلے موقعہ پر بیان نہیں ہوئی تھیں یا ان کے بعض پہلو بیان نہیں ہوئے تھے۔ چنانچہ یہاں بھی یہی بات ہے۔

لَعَلِّيْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِيْمَا تَرَكْتُ كَلَّآ کہ کر بظاہر وہی باتیں پیش کی گئی ہیں جو پہلے بھی کئی دفعہ پیش ہو چکی ہیں مگر اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۔ اور ان کے درمیان ایک پردہ ہو گا جو قیامت کے دن تک لٹکا رہے گا۔ کن کے درمیان پردہ ہے؟ یہ بحث ہے۔

ایک مضمون تو یہ ہے کہ مستقبل میں جو ان کے لئے ظاہر ہونا ہے وہ پوری طرح ان کو دکھائی نہیں دے گا اور ایک پردہ ہو گا لیکن جب مزید غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ کے درمیان اور ان کے درمیان ایک پردہ ہے جو کبھی بھی نہیں اٹھایا جائے گا اور انہیں اعمال صالحہ کی توفیق مل ہی نہیں سکتی۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں اگر کوئی شخص بدی کی حالت میں اٹھایا جاتا ہے تو جس حد تک اس کے بچنے کا امکان تھا وہ امکان اس کو مہیا کیا جا چکا ہے۔ اور جس شخص کو ابھی اور بھی آزمائش میں ڈالنا ہو اور ابھی اس کی صلاحیتیں پوری طرح استعمال نہ ہوئی ہوں اور یہ امکان ہو کہ ابھی کچھ اور امتحان باقی ہیں تو ایسے شخص کو اگر وہ بد ہے بدیوں میں لمبی زندگی ملتی ہے اور اگر وہ نیک ہے تو نیکی میں اور لمبی زندگی ملتی ہے لیکن کوئی شخص اس وقت تک نہیں مرتا جب تک وہ اپنی نیکی یا بدی کی کیفیتوں میں اس حد تک آزمایا نہ جا چکا ہو کہ جس کے بعد یقین سے یہ کہا جا سکتا ہو کہ اب اس کے بعد اگر اس کو لاکھ سال کی زندگی بھی ملے تو اس کے اندر تبدیلی پیدا نہیں ہو گی۔ اگر کروڑ سال کی زندگی بھی ملے تو اس کے اندر تبدیلی پیدا نہیں ہو گی۔ یہی مضمون ہے جو اللہ تعالیٰ نے وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ۔ میں فرمایا ہے کہ زندگی کی حد تک ہم نے ان کو دیکھ لیا۔ یہ جو کہتے ہیں ہمیں دوبارہ موقعہ ملے گا تو ہم نیک اعمال کریں گے۔ یہ سب بکواس' جھوٹ ہے' منہ کی باتیں ہیں۔ قیامت تک یہ لوگ اب نیکی کی توفیق نہ پانے والے ہیں تب ہم نے ان کو ایسی حالت میں اٹھایا ہے اور پھر اس مضمون کو آگے بڑھا کر فرمایا۔ فَاِذَا نُفِخَ فِي

الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ ان کے اور ان کے نیک ساتھیوں کے درمیان کوئی رشتہ بھی باقی نہیں رہے گا جس طرح ان کے اور ان کے اعمال کے درمیان کوئی رشتہ نہیں اسی طرح ان کے اور ان کے وہ رشتے دار جو نیک تھے ان کے درمیان کوئی رشتہ اب دوبارہ قائم نہیں ہوگا بلکہ ان کے بدوں کے ساتھ رشتے رہیں گے اور جس طرح یہاں انسان اپنے نیک ساتھیوں کے بھی حال پوچھ لیا کرتا ہے اولاد ہو یا ماں باپ ہوں یا عزیز ہوں' اقرباء ہوں نیک اور بد اکٹھے رہتے ہیں لیکن یہاں مرنے کے بعد فرمایا کہ بدوں اور نیک کی دنیا الگ کر دی جائے گی اور وہ ایک دوسرے کے حال پوچھنے کی بھی توفیق نہیں پائیں گے سوائے اس کے کہ قرآن کریم میں بعض جگہ نمونۃً" خدا تعالیٰ سے استدعا کی گئی ہے کہ ہمیں ان لوگوں کا حال بتا اور خدا تعالیٰ ان کو توفیق دے گا کہ نمونۃً" دوسرا حال دیکھ لیں۔ وہ ایک الگ مضمون ہے جو استثناء کے طور پر ہے اور اس آیت میں عمومی مضمون ہے جو بیان ہوا ہے۔

❀ ❀ ❀